© rasailojaraid.com

شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحبؒ ایک پیکر شفقت

مولانا مفتی سمیع اللہ

آج میں اپنے ایک محسن کے متعلق لکھنے بیٹھا ہوں، ان کے احسانات، شفقتیں اور یادیں دل ودماغ کے سامنے صفیں باندھ کر کھڑی ہیں۔ میں ان کی زندگی کے کس پہلو کا تذکرہ کروں، ان کے کس احسان کو تحریر کروں، ان کی کون سی یاد رقم کروں، یہ فیصلہ اور انتخاب از بس مشکل ہے اور بے حد دشوار۔ حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات ان کے اوصاف وکمالات کا ضخیم سے ضخیم کتاب بھی احاطہ نہیں کر سکتی چہ جائیکہ ایک مختصر سی تحریر، البتہ یہ درجہ اولی سے لے کر دورہ حدیث تک حضرت کے سایۂ شفقت میں رہنے والے ایک سوگوار کے آنسو کے چند قطرے اور ایک زخم خوردہ دل کی چند سرد آہیں ضرور ہیں۔

حضرت کی پہلی زیارت مجھے اس وقت نصیب ہوئی جب میں ۲۰ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ کو جامعہ امدادیہ میں داخلہ کے لیے حضرت کی خدمت حاضر ہوا، ہشاش بشاش کھلا ہوا، نورانی اور بارعب چہرہ، دبلا پتلا مگر مضبوط جسم شفقت بھرے انداز میں یوں گویا ہوئے۔ آیئے! خان صاحب! کہاں سے آئے ہو، اس شفقت آمیز جملہ نے وہ تاثیر دکھائی کہ شاید گھنٹوں کی تقریر میں ایسی تاثیر نہ ہو، اب تک یہ جملہ کانوں میں رس گھول رہا ہے۔ داخلہ بند ہونے کے باوجود حضرت نے مجھے داخلہ عنایت فرما دیا اور پھر پورا تعلیمی عرصہ حضرت کے قدموں میں ہی گزرا۔

حضرت کی زندگی اور ان کے نظم وضبط کا محور اور مرکز وہ بے پناہ شفقت تھی، جو ان کے دل میں ہر وقت موجزن رہتی تھی، اس شفقت نے بہت مختصر وقت میں جامعہ امدادیہ کو ایسے بام عروج پر پہنچا دیا کہ وہ ملک کے ممتاز ترین اداروں میں شمار ہوتا ہے۔ حضرت کا طلبہ کے ساتھ برتاؤ ایسا تھا جیسا کہ ایک سمجھ دار مشفق باپ کا اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس ادارے کا ہر ہر فرد اس کو محسوس کرتا تھا۔ وہاں کے قابل رشک اور قابل تقلید نظام میں یہی چیز کارفرما تھی، طلبا کو ہر ممکن سہولت وآسائش مہیا کرنا، یہ آپ کا ذہن تھا اور ان کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کی صحت اور تندرستی کا خیال رکھنا، یہ آپ کے مشاغل کا ایک حصہ تھا۔ مختلف موسموں کے اعتبار سے حفاظتی تدابیر اور طلبہ کو مضر صحت اشیاء سے بچنے کی نہ صرف تاکید فرماتے بلکہ عملی اقدامات بھی فرماتے۔

حضرت نے یہ اصول بنایا تھا کہ جامعہ کے قرب وجوار میں اشیائے خورد ونوش فروخت کرنے والا دفتر جامعہ سے اجازت نامہ حاصل کرے اور دفتر والے ان اشیاء کی تحقیق کرتے کہ یہ ناقص اور مضر صحت تو نہیں، قیمت مناسب ہے یا نہیں اور طلبہ کو یہ تاکید کی جاتی کہ صرف ان لوگوں سے خریداری کریں جن کے پاس جامعہ کا اجازت نامہ ہے۔ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں فیصل آباد میں ایک وائرس پھیل گئی جس نے وبا کی شکل اختیار کی، اس سے بچنے کے لیے حفاظتی ٹیکوں کی ضرورت تھی، وہ کافی مہنگے اور نایاب تھے، اتنی بڑی مقدار میں فیصل آباد میں دستیاب نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، حضرت نے استاذ محترم (قاری ولی العزیز احسن دامت برکاتہم) جو جامعہ کے استاذ حدیث تھے، ان کو بھیجا کہ وہ لاہور سے یہ ٹیکے لے آئیں، چنانچہ حضرت قاری صاحب تین دن تک مختلف میڈیکل اسٹورز کے چکر لگاتے رہے، تب جا کر کامیابی ہوئی۔ آپ نے ڈاکٹروں کو بلایا اور اپنی نگرانی میں درجہ حفظ سے لے کر دورۂ حدیث تک تمام طلبہ کو ٹیکے لگوائے، مجھے وہ منظر خوب یاد ہے کہ جس جماعت کی باری آتی تو حضرت ڈاکٹروں کے ساتھ وہاں پہنچ جاتے اور سب سے پہلے جماعت کی حاضری ہوتی پھر کرسی لگا کر حضرت بیٹھ جاتے تاکہ کوئی طالب علم رہ نہ جائے یا ٹیکے کے ڈر سے ادھر ادھر نہ ہو جائے۔

جامعہ کے صحن میں ایک کچی عمارت تھی جس میں طلبہ کھانا بھی کھاتے اور نماز بھی وہیں ہوتی تھی (مسجد اور مطعم کی تعمیر سے پہلے) ایک رات طلبہ کھانے میں مصروف تھے کہ لائٹ چلی گئی اور اس وقت جامعہ میں جنریٹر نہیں تھا۔ حضرت خود اپنے گھر سے جو جامعہ میں تھا، ایمر جنسی لائٹ لائے اور طلبہ سے کہا تم کھانا کھاتے رہو میں تمھارے لیے روشنی کا انتظام کروں گا، طلبہ کے شدید اصرار پر ایمر جنسی لائٹ ان کے حوالہ کر دی۔

محدود اور قلیل وسائل کے باوجود طلبہ پر بہت فراوانی سے خرچ کرنا یہ آپ کی طبیعت تھی۔ چنانچہ اگر کوئی طالب علم بیمار ہوتا اور مدرسہ کا ڈاکٹر لکھ دیتا کہ باہر ان کا علاج کراؤ تو باقاعدہ مدرسہ کے خرچ پر اسے ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا اور مدرسہ کی طرف سے دو طالب علم تیمارداری کے لیے باری باری مقرر کیے جاتے اور تیمارداروں کے کھانے وغیرہ کا انتظام جامعہ کی طرف سے ہوتا تھا۔

میرے ایک ساتھی ''خدائے داد'' کو ایک رات اچانک اسہال کی سخت تکلیف ہوئی، رات کے ساڑھے گیارہ بجے میں سخت پریشانی کے عالم میں دفتر کے سامنے کھڑا ہوں، دیکھا کہ حضرت باہر کہیں سفر سے آ رہے ہیں، مجھے پریشان دیکھ کر حضرت نے پوچھا، کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ ساتھی بیمار ہے اور ان کو اسہال کی تکلیف ہے کچھ کہے بغیر حضرت گھر تشریف لے گئے۔ بارہ بجے دوبارہ گھر سے تشریف لائے اور مجھے بلایا اور کہا کہ یہ دیسی دوا میں نے گھر میں خود ان کے لیے تیار کی ہے، لیکن بچے کی طبیعت مجھے زیادہ خراب لگ رہی ہے، لہٰذا اسے فوراً ہسپتال پہنچادو۔ ڈرائیور کو بلا کر کہا کہ انھیں ہسپتال پہنچادو اور ''مولوی نواز حاصل پوری'' جو اس وقت مکتبہ عارفی کے نگران ہیں، ان کو ہمارے ساتھ کر دیا۔ چنانچہ ان کو ہم نے ہسپتال میں داخل کرایا اور پھر وہ پانچ دن ہسپتال میں رہے۔ حضرت جب بھی مجھے دیکھتے تو ان کے بارے میں پوچھتے کہ ان کا کیا ہوا۔

طلبہ کے دارالاقامہ میں جا کر براہ راست ان کی شکایات سننا اور پھر اس پر فوری اقدام کرنا یہ آپ ہی کا کام تھا۔ میں درجہ رابعہ میں پڑھتا تھا اور درجہ رابعہ والوں کی رہائش انتظامی بلاک کے اوپر بڑے ہال میں تھی ایک دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہال میں تشریف لائے اور طلباء سے پوچھا: کیوں بھئی! کوئی شکایت تو نہیں۔ ہمارے ساتھیوں میں ایک ساتھی تھے ''عبداللہ وزیرستانی'' وہ اپنے خاص انداز میں کہنے لگے: ''استاد! استاد! ہم کو ہوا نہیں آتا'' دیکھا تو واقعتاً اس کی جگہ پنکھے سے کچھ فاصلہ پر تھی تو آپ نے مولانا عبدالرزاق صاحب سے فرمایا کہ شام تک عبداللہ کے لیے پنکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگنا چاہیے، چنانچہ مغرب تک اس کا انتظام ہوگیا۔گرمی کے موسم میں ٹھنڈے پانی کا انتظام ہر مدرسہ میں ہوتا ہے، لیکن آج تک میں نے کسی مہتمم کو نہیں دیکھا کہ اس نے طلبہ کے لیے لگائی گئی مشین سے خود پانی پیا ہو، یہ جانچنے کے لیے کہ پانی ٹھنڈا ہے یا گرم، لیکن حضرت کو میں نے بچشم خود بارہا دیکھا کہ طلبہ کے لیے بنائی گئی ٹنکی سے پانی پی رہے ہیں۔

جو طالب علم درس نظامی یا تخصص مکمل کرکے فارغ ہوتا ہے تو وہ اپنے مستقبل کے بارے میں بے حد پریشان ہوتا ہے اور اپنی تدریس وغیرہ ڈھونڈنے کے لیے مدارس کی خاک چھانتا ہے اور بہت سارے طلبہ مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے دنیوی دھندوں میں لگ کر تعلیم وتدریس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فضلاء کو اس پریشانی سے نجات دی، اس طرح سے کہ دورۂ حدیث کے طلبہ کو آخرِ سال میں ایک فارم دیا جاتا جس میں پوری تفصیل ہوتی کہ فراغت کے بعد آپ کیا کریں گے! تدریس یا تخصص! اگر تدریس کرنی ہے تو مناسب جگہ آپ نے تلاش کی ہے یا ہم تلاش کریں۔غرض وہ اپنے ہر فاضل کو تدریس کی جگہ فراہم فرمادیتے۔اس سلسلہ میں حضرت جس شفقت اور ہمدردی کے ساتھ تمام پہلوؤں کی رعایت فرماتے اس کا اندازہ بندہ کے نام لکھے گئے ایک جوابی خط سے لگایا جاسکتا ہے۔میں نے جامعہ فاروقیہ سے تخصص سے فراغت کے کچھ عرصہ پہلے حضرت کو اپنی تدریس کے سلسلے میں خط لکھا اور اس میں کراچی کے کسی ادارے میں کام کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا:

> ”کراچی کے کسی ادارہ نے تاحال احقر سے کوئی مدرس طلب نہیں کیا۔اگر آپ سے کسی کا رابطہ ہوسکے، آپ کو جگہ پسند بھی ہو تو قبول کرلیں۔ مولانا نصر اللہ صاحب آپ کے علاقہ والے یہاں کے فاضل آئے تھے ان کا اصرار تھا کہ مولوی سمیع اللہ کو ہمارے مدرسہ میں بھیجیں۔آپ اپنی رائے بتائیں، اگر طبیعت بالکل مائل نہ ہو تو ان کو انکار کردیتے ہیں، اگر وہاں کام ہونے کی امید ہو اور طبیعت آبی بھی نہ ہو تو ان سے بات کرلیتے ہیں۔اگر کامیابی کے لیے شرائط کی ضرورت ہو تو احقر ان سے شرائط لگادے گا۔صاف صاف لکھیں اگر کراچی جگہ نہ بنے۔اپنے قریب مولانا نصر اللہ صاحب کے پاس بھی نہ رہنا ہو، تو فارغ ہوکر یہاں آجائیں۔ہمارے زیر انتظام کئی مدرسے چل رہے ہیں، کچھ نئے کھل رہے ہیں، وہاں تدریس وافتاء پر لگادیں گے۔ نذیر احمد“

ہزاروں یادیں جو مستور میرے سینے میں
رخِ قرطاس پہ لاؤں یہ مجھ میں تاب نہیں

حضرت کا سانحہ پوری ملت کا سانحہ ہے اور اس غم میں خونی رشتہ داروں کے ساتھ حضرت کے روحانی فرزند بھی شریک ہیں۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھے

© rasailojaraid.com